© rasailojaraid.com

۱۹۴۲ء کا ایک یادگار سفر

مولانا محمد ظفیر الدین مفتاحی دارالعلوم دیوبند

۹ اگست ۱۹۴۲ء سالانہ امتحان شعبان کے دوسرے ہفتہ میں ہونا تھا، اس کی تیاری میں ہم تمام طلبہ ہمہ تن لگ چکے تھے کہ ۹ اگست ۱۹۴۲ء کو بمبئی میں کانگرس ورکنگ کمیٹی نے انگریزی حکومت کے خلاف تجویز پاس کی، اراکین تو گرفتار کرکے نامعلوم جگہ روانہ کردیئے گئے، مگر ملک میں طلبہ نے آزادی کی تحریک شروع کردی۔

مئو ناتھ بھنجن، ضلع اعظم گڑھ کا سب سے نمایاں اور بڑا قصبہ ہے، یہاں مدرسہ مفتاح العلوم ایک دینی عربی درس گاہ ہے، اس وقت اس کے شیخ الحدیث اور صدر المدرسین حضرت الاستاذ مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی مدظلہٗ تھے اور نائب الصدر حضرت الاستاذ مولانا عبداللطیف صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے، ثانی الذکر کانگریس کے باضابطہ کارکن تھے۔

تحریک کی ابتدا ۱۰ اگست ۴۲ء کو حکومت کے خلاف پورے ملک میں طلبہ نے ایجی ٹیشن شروع کردئے، ہر شہر قصبہ اور گاؤں میں جلوس نکلنے لگے، نعرے لگنے لگے، شہر مئو بھی انہی زندہ دل شہروں میں تھا، یہ کہاں پیچھے رہنے والا تھا، میں مفتاح العلوم میں صبح کے وقت اسباق کی تیاری میں مصروف تھا کہ کچھ لوگ میرے پاس آئے کہ یہاں بھی حکومت کے خلاف جلوس نکلنا چاہیئے، میں نے تائید کی کہ ضرور ایسا ہونا چاہیئے، اس کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بعد چند نوجوان نعرے لگاتے ہوئے آئے، کچھ عوام شریک ہوگئے، ادھر مدرسہ سے طلبہ کی ایک جماعت لے کر میں چل پڑا۔ جب یہ جلوس چکّر کاٹ کر ایک باغ میں پہونچا، تو تقریر کے لئے مجھے آگے کیا گیا، میں نے کوئی ڈیڑھ گھنٹے جذباتی تقریر کی، حکومت کے مظالم بیان کئے، اس تقریر کے بعد مجمع میں ایک آگ سی لگ گئی، اس وقت مجمع کوئی پانچ ہزار انسانوں کا ہوگا، ۱۱ر اگست کو جب جلوس نکلا تو اب آدمیوں کا جنگل یا سیلاب تھا، جو ٹھاٹھیں مار رہا تھا، انقلاب زندہ باد، ہندوستان آزاد، مولانا آزاد زندہ باد کے نعرے گونجنے لگے۔

مدرسہ کی طرف سے ڈھیل

تھوڑا خوف تھا کہ ارباب مدرسہ کوئی پابندی عائد نہ کردیں مگر ایسا نہیں ہوا، انھوں نے ڈھیل دے دی، ایک ہفتہ تک یہی کام ہوتا رہا۔ تقریر کرنے کی ذمہ داری میرے سر تھی، اس پورے ہفتہ میں کسی دوسرے نے تقریر نہیں کی، میرے ایک بوڑھے ساتھی مولانا زین الدین اعظمی تھے، میں نے کہنا چاہئے زبردستی دو تقریریں ان سے کرائیں۔

سی۔ آئی۔ ڈی اپنا کام کر رہے تھے، استاذ محترم مولانا عبداللطیف اور دو تین دوسرے کانگریسی مسلمان راتوں رات گرفتار کر لئے گئے، وارنٹ میرے نام بھی جاری ہوگیا، دن میں تو پولیس کی ہمت نہیں تھی، کہ وہ ہمیں گرفتار کرتی، رات میں البتہ گرفتار کرنے کے لئے مدرسہ کا چکر کاٹنے لگی، یہ بات مجھے معلوم ہوگئی، کہ رات میں کسی وقت بھی مجھے گرفتار کیا جاسکتا ہے، میں نے چلنے پھرنے میں احتیاط شروع کردی، مگر دن کے جلسے جلوسوں میں اور تقریروں میں کوئی فرق نہیں آیا۔

ٹیلیفون کے تار

ایک دن دوپہر میں خاکسار اور میرے ساتھ مولوی محمد یحییٰ ابراہیم پوری اور ایک آدھ اور طالب علم رام جیون ہائی اسکول پہونچے، وہاں یہ طے کرنا تھا کہ اعظم گڑھ، بنارس اور اندارا یعنی بلیا اور بھٹنی چاروں لائنوں کے ٹیلیفون تار کٹوانے تھے، کانگریس مئو کمیٹی کے سکریٹری بھی پہونچے ہوئے تھے، اسکول کے کافی ہوشمند طلبہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جمع تھے، اس کام کے لئے بہت سارے طلبہ نے اپنے آپ کو پیش کیا، ان کی لسٹ زبانی تیار ہو گئی، سکریٹری کانگریس نے وہ لسٹ اپنے پاس رکھنا چاہی، میں نے سختی سے انکار کیا، کہ آپ کسی وقت بھی گرفتار کئے جا سکتے ہیں، اگر یہ لسٹ پولیس کے ہاتھ لگ گئی تو خواہ مخواہ یہ تمام طلبہ گرفت میں آجائیں گے، اس لئے مناسب نہیں، طلبہ نے بھی کہا کہ یہ رائے بہتر ہے کام تقسیم ہو گیا۔ صبح کو سو کر جب اٹھا تو معلوم ہوا کہ چاروں لائنوں کے ٹیلیفون تار کٹ چکے ہیں اور ٹرینوں کی آمد و رفت بند ہو چکی ہے۔

میونسپل بورڈ کا مکان

ادھر یہ کاروبار ہو رہا تھا، اسی دن نوٹیفائیڈ ایریا کی عمارت جو جامع شاہی کے سامنے متصل ہی تھی اور جہاں سے میونسپل بورڈ کا کام انجام پاتا تھا، اور اس کے سارے کاغذات محفوظ تھے، ظہر بعد کچھ طلبہ نے اس عمارت میں آگ لگا دی، وہ جل کر راکھ کا ڈھیر ہو گیا۔

اس کے دوسرے دن جلوس کا رخ اسٹیشن کی طرف ہو گیا۔ مجمع بہت زیادہ تھا، الہ آباد سے کچھ طلبہ آکر شریک ہو گئے تھے، دوپہر میں یہ مجمع اسٹیشن میں گھس کر اس کی عمارت میں اودھم مچانے لگا، دریچوں کے کچھ شیشے بھی توڑے، گویا اب احتجاج کا شباب تھا، اور مجمع کنٹرول سے باہر ہو رہا تھا۔

مقامی پولیس کا رویہ

مقامی پولیس کا رویہ احتجاج کرنے والوں کے ساتھ زیادہ سخت نہیں تھا، بلکہ ہمدردانہ، اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ عوام کے رخ سے خود خوف زدہ تھی، چونکہ مقرر کی حیثیت خاکسار کی تھی اور کہنا چاہئے لیڈ بھی میں اور میرے چند ساتھی کر رہے تھے، اس لئے پولیس رازدارانہ طور پر کہتی رہتی تھی کہ توڑ پھوڑ نہ ہو تو بہتر ہے ہم لوگ بھی بے ضرورت توڑ پھوڑ کو پسند نہیں کرتے تھے، کوئی آٹھ دس دنوں تک ہم طلبہ کی حکومت کام کرتی رہی، کہ دفعتہً معلوم ہوا کہ امریکہ نے برطانیہ کو جو امدادی فوج دی ہے اس کی ایک کمپنی مئو پہونچ گئی ہے اور اب گولی چلا کر رہے گی، چنانچہ سہ پہر میں جب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جلوس نکلا تو تھانہ کے سامنے جلوس پر گولیاں چلائی گئیں، کچھ لوگ زخمی بھی ہوئے، مجمع منتشر ہوگیا۔

خوف وہراس اس کے دوسرے دن سے قصبہ مئو میں خوف وہراس پھیل گیا اور گرفتاریاں شروع ہوگئیں، چونکہ میرے نام بھی وارنٹ تھا، میری گرفتاری یقینی ہوگئی، ارباب مدرسہ نے مجھے اطلاع دے دی کہ اب مدرسہ قطعاً نہ آیا کرو۔ پولیس والوں کو بتا دیا گیا کہ جس طالب علم نے تقریریں کی تھیں وہ مدرسہ سے چلا گیا، اور مدرسہ نے اسے خارج کر دیا۔ مگر پولیس کی دوڑ دھوپ جاری رہی، میں محلہ جھنجھوپورہ کی مسجد کے کمرہ میں روپوش ہوگیا، اِدھر اُدھر آنا جانا بند کر دیا۔

میرے ساتھ ایک طالب علم مولوی امیر اللہ ضلع آرہ (بہار) کے رہتے تھے۔ ہنگامہ شروع ہوتے ہی مجھ سے کہنے لگے کہ میرے لئے کرایہ کا انتظام کر دیں، تاکہ گھر چلا جاؤں، میرے کچھ روپے حضرت الاستاذ مولانا محمد یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس جمع تھے، میں نے پرچی لکھدی کہ میرے جو روپے ہوں وہ مولوی امیر اللہ کو دے دیئے جائیں۔ وہ لے کر روانہ ہوگئے۔

میری پریشان حالی اب روپوشی کے زمانہ میں میرا ہاتھ خالی رہ گیا، جمع رقم مولوی امیر اللہ کو دلوادی تھی، ڈاکخانہ اور ریل کا نظام ٹوٹ پھوٹ چکا تھا، نئے ماہ کا منی آرڈر گھر سے نہیں آیا تھا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میں بے دست وپا ہوگیا۔ مجھے توقع تھی کہ احباب میری قرض سے بخوشی مدد کریں گے۔ ایک دن میں نے ایک ساتھی کو مولوی مختار احمد کیاوی ٹولہ کے پاس بھیجا کہ کہنا پانچ روپے ظفیر مانگ رہا ہے، منی آرڈر آنے پر واپس کر دیا جائے گا، وہ لوٹ کر آیا کہ انھوں نے دینے سے انکار کر دیا۔ اب میں نے پرچی لکھی کہ اس کو شبہ باقی نہ رہے، اس کے جواب میں انھوں نے معذرت لکھی کہ اس وقت بالکل پیسے نہیں ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان کا یہ جواب پڑھ کر سکتہ میں آگیا، غصہ بھی آیا، غم بھی ہوا، مگر کرنا کیا ہے شر بیلی طبیعت تھی خود اس کے پاس جانا پسند نہ کیا، دوسرے دن ایک دوسرے ساتھی مولوی مصطفیٰ کیا وی ٹولہ کے پاس خط لے کر ایک شخص کو بھیجا کہ کچھ روپے قرض دے دیں، مگر وہاں سے بھی معذرت آگئی، اب میرا حال یہ تھا کہ کاٹو تو لہو نہیں۔ یہ میرے دونوں کتابی ساتھی تھے اور راہ ورسم بہت اچھے، آمد و رفت اور کھلانا پلانا برابر چلتا تھا، بہت بے تکلف، مخلص اور محبت کرنے والے، پڑھنے میں ذہین و محنتی، امتحان کے زمانے میں ساتھ پابندی سے تکرار کرنے والے۔ اس کا وہم بھی نہ تھا کہ اس ابتلا اور امتحان کی گھڑی میں یہ دونوں میرے لئے اس قدر سخت دل ہو جائیں گے۔ بعد میں بھی ان سے ہمارے تعلقات رہے اور شگفتہ رہے، ان میں سے مولوی محمد مصطفیٰ اب تک موجود ہیں اور میں جب مئو جاتا ہوں کئی سال سے ان کا ہی مہمان بنتا ہوں، مولوی مختار احمد کئی سال ہوئے فالج کا ان پر حملہ ہوا، اور اس سے جانبر نہ ہو سکے، اللہ کو پیارے ہو گئے۔ ایک لڑکا اور کئی بچیاں یادگار چھوڑیں۔

احباب کی بے مروّتی کا اثر اس تجربہ کے بعد معلوم ہوا کہ ہماری لیڈری وقتی تھی، مصیبت میں تقریباً کوئی پوچھنے والا باقی نہیں رہا، ورنہ ہزاروں انسان میرے ساتھ جلسے جلوس میں ہوا کرتے تھے، اب سب مجھ سے کٹنے اور بھاگنے لگے، کہ میری وجہ سے ان پر بھی کہیں آفت نہ آپڑے۔

زندگی میں یہ پہلا موقع آیا کہ مجھے مسجد منزل چھتر پورہ مئو میں فاقہ کرنا پڑا، اس محلہ کی مسجد میں میں امامت کے فرائض تین سال سے انجام دے رہا تھا۔

ایک اسکولی پابند جماعت لڑکا فاقہ کے دوسرے تیسرے دن میرے کمرہ میں آیا، جب میں تنہا تھا، وہ کہنے لگا کہ آپ کی صورت بتاتی ہے کہ آپ کئی دنوں سے فاقہ کر رہے ہیں، آواز میں پستی پیدا ہو گئی ہے، آپ اجازت دیں تو میں آج سے اپنے گھر سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آپ کے لئے کھانا لایا کروں۔ میں نے انکار کیا، جس قدر انکار کیا اسی قدر اس کا اصرار بڑھا، اخیر میں اس نے کہا کہ اس کی اطلاع سوا میری والدہ کے گھر میں بھی کسی کو نہ ہوگی، اب میں خاموش ہوگیا، اس شریف انسان کا نام نثار احمد تھا، جوابِ دنیا میں نہیں رہا۔ اس کی موت کی تفصیل ابھی عرض کروں گا۔ اس دن سے وہ اپنے گھر سے کھانا لاکر کھلاتا رہا، گیارہ دنوں تک میں مئو میں روپوش رہا۔ تین دن فاقے کے گذرے اور آٹھ دن تک اس نے خاموشی سے کھلایا، اللہ تعالیٰ اسے جنت الفردوس میں جگہ مرحمت فرمائے اور انشاء اللہ اسی کی توقع ہے۔

وارنٹ کا افشا اہل محلہ اب تک یہ نہیں جانتے تھے کہ میرے نام وارنٹ ہے اور سخت حکم ہے۔ نہ معلوم کس طرح یہ راز محلہ کے نمازیوں پر کھل گیا۔ ان کو خطرہ ہوا کہ کہیں ان امام صاحب کی وجہ سے اہل محلہ مصائب میں نہ گھر جائیں، سب کہنے لگے مولوی صاحب بہتر یہ ہے کہ آپ مئو چھوڑ دیں، سن رہے ہوں گے کہ تحریک میں شریک پر حکومت کس قدر سختیاں کر رہی ہے اور جو طالب علم پکڑا جاتا ہے اس کی کتنی سخت پٹائی بر سر بازار کرتے ہیں۔

جب میں نے محسوس کیا کہ اب مرا رہنا اہل محلہ کو گوارا نہیں، تو مجھے سوچنا پڑا کہ مئو سے کس طرح نکل کر باہر جاؤں، تاکہ میری وجہ سے اہل محلہ پر کوئی آنچ نہ آنے پائے، اور جاؤں تو کہاں جاؤں، چونکہ اب حکومت وقت کا پورا کنٹرول ہوچکا تھا، گرفتاری اور مارپٹائی عام طور پر شروع تھی، ظلم وجور کے وہ سارے طریقے پولیس اور فوج اختیار کر رہی تھی، جو بغاوت کے دبانے کے لئے ضروری ہوتے ہیں۔

جیسا کہ عرض کیا گیا اس پورے ہفتہ میں مجمع عام میں تقریر کرتا رہا، بچہ بچہ صورت آشنا تھا، صرف ایک دن میرے اصرار سے میرے بوڑھے ساتھی مولانا زین الدین صاحب نے تقریر کی تھی، کہاں نکلتا اور کیسے نکلتا کہ مقامی پولیس کی نگاہ نہ پڑ سکے، پھر ٹرینیں بند

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بس سروس کا اس زمانہ میں مئو میں نام و نشان بھی نہ تھا، اس خطرے کے وقت کوئی شخص ساتھ دینے والا باقی نہ رہ گیا تھا۔

مئو سے روانگی

مگر مرتا کیا نہ کرتا، طے کر لیا کہ مئو چھوڑ دینا ہے اور یہ بھی فیصلہ بطور خود کر لیا کہ آٹھ میل کی دوری پر ایک دوسرا قصبہ "بہادر گنج" نامی ہے جو ضلع غازی پور میں پڑتا ہے وہاں جاکر دو چار دنوں سر چھپاؤں گا، وہاں کے ایک شخص منشی عبد الباری نام کے تھے، ان سے شناسائی چھپرہ شہر کی تھی جہاں میں زیر تعلیم تھا اور وہ کپڑے کی تجارت کے سلسلے میں جاکر قیام کرتے تھے، مئو آنے کے بعد دو ایک دفعہ ملاقات بھی ہوئی تھی، انھوں نے تقاضا بھی کیا تھا کہ ایک دن کے لئے میرے گھر چلیں۔

مختصر یہ کہ عزم کر لیا گیا، اپنے مقتدیوں کو بتا دیا کہ ایسا خیال ہے، انھوں نے پسند کیا کہ آپ کا دوسرے ضلع میں منتقل ہو جانا اس خطرے کے وقت مفید ہوگا اور پولیس کی گرفت سے بھی بچ سکتے ہیں، طے یہ پایا کہ جب بازار کھل جائے اور خوب چہل پہل ہو جائے، اس وقت نکلا جائے۔ محلہ کے دس بیس آدمی مئو کی حدود تک ساتھ، یہاں اس زمانہ کی یادداشت سے چند جملے نقل کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

روانگی کا منظر

"۲۴ر اگست ۱۹۴۲ء کو رخصتی کا منظر عجیب دلگداز، ہمدردوں اور دوستوں کی جماعت آبدیدہ، بزرگوں اور بڑوں کا گروہ افسردہ، خود رنج و غم کا مرقع، پائجامہ کرتا اتارا، دھوتی باندھی، قمیض (نئے کٹ کی) زیب تن کی، احباب کی ٹولی جلو میں، بڑوں اور بہی خواہوں کا جم غفیر آگے پیچھے، آفتاب طلوع ہو کر خوب روشن ہو چکا تھا، اس کی کرنیں پھیل چکی تھیں۔ قصبہ سے باہر نکلا تو دھوپ صاف و شفاف آئینہ کی مانند چمک رہی تھی، مگر تپش میں ابھی تیزی نہیں آئی تھی، ایک میل آئے ہوں گے کہ احباب بتدریج

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پلٹنے لگے، بہی خواہ حضرات دعائیں ساتھ کر کے واپسی کا سلام کرنے لگے، ان کی واپسی کا منظر دل پر بجلی گرا رہا تھا، آنکھیں اشکبار اور آواز گلوگیر تھی، دو فرشتہ خصلت اور بزرگ صفت جن کے دلوں میں میری محبت و بہی خواہی کی انگیٹھی سُلگ رہی تھی، .... ، ابھی واپس نہیں ہوئے، چار میل تک ساتھ چلتے رہے، دعائیں دیتے رہے، راستے کے پیچ وخم سمجھاتے رہے۔ راستہ میں ایک باغ میں مسجد نظر آئی، ان کے اصرار پر وہاں مسجد میں بیٹھ کر ناشتہ کیا گیا اور وہاں سے وہ دونوں بوڑھے بزرگ دعائیں دے کر اور راستہ بتا کر لوٹ پڑے، اب میں تنہا رہ گیا۔ دھوپ میں کافی تیزی آچکی تھی، آنے جانے والوں کا سلسلہ گرمی یا کسی اور وجہ سے تقریباً رک چکا تھا، حد نگاہ تک کوئی مسافر چلتا نظر نہ آتا تھا، کھیت کے سبزہ زار تھے اور میں یکہ و تنہا مسافر تھا، کہیں کہیں دوری پر بھینس اور جانور چگانے والے نظر آ رہے تھے۔"

بہادر گنج اس عالم میں ایک نوجوان، پردیسی اور حکومت کے باغی مجرم کا کیا حال ہوگا ہر اہلِ دل خود سوچ سکتا ہے اور سمجھ سکتا ہے، اب نگاہ نیچی تھی اور پاؤں تیزی سے اٹھ رہے تھے، یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ بہادر گنج کتنی دور رہ گیا ہے، زندگی میں کیا کیا مرحلے آتے ہیں اور گذر جاتے ہیں پھر جہاں جا رہا تھا نہ ان سے کوئی قریب و بعید رشتہ داری تھی، نہ وہ ہموطن و غمگسار تھے، نہ ان سے کوئی بے تکلفی تھی اور نہ ان کا مزاج ہی معلوم تھا، یہ تو ایک مجبوری تھی جس کی وجہ سے بے سوچے سمجھے جانا پڑ رہا تھا۔

غالباً قصبہ ایک میل رہ گیا ہوگا کہ پیچھے سے ایک دیہاتی، لمبی لاٹھی کندھے پر ڈالے آتا ہوا نظر آیا، جلد ہی وہ قریب آ گیا، کہنے لگا مولوی صاحب کہاں جانا ہے؟ میں نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہا: بھائی بہادر گنج، کہنے لگا چلئے پھر ساتھ چلیں، مجھے اسی قصبہ سے ہو کر آگے جانا ہے، پیار و محبت سے گفتگو کرتا رہا، پھر پوچھا کہ وہاں کس کے یہاں جانا ہے، میں نے کہا کہ ایک ملنے والے ہیں، ان کا نام منشی عبدالباری ہے، میرے چہرے پر گھبراہٹ اور پریشانی دیکھ کر کہنے لگا: آپ اجنبی معلوم ہوتے ہیں، میں نے کہا ہاں بھئی بات یہی ہے، کبھی گیا آیا نہیں، کہنے لگا مولوی صاحب میں آپ کو ان کے دروازہ تک پہونچا کر آگے بڑھوں گا۔ فکر نہ کریں، منشی جی بھلے آدمی ہیں۔

اس کی باتوں سے تھوڑی تسلی ہوئی کہ کچھ ہو ایک رہبر تو ملا۔ قصبہ میں بھٹکتے پھرنا نہ پڑے گا۔ اسی دیہاتی سے باتیں کرتا ہوا جا رہا تھا۔ اس نے بتایا کہ مولوی صاحب متو میں حکومت کے آدمی بہت ظلم کر رہے ہیں، کتنے گھروں کو لٹوا دیا۔

منشی عبدالباریؒ

قصبہ میں داخل ہوا تو کچھ دور چل کر وہ ایک جگہ راستے کنارے رک گیا کہ منشی جی کا گھر یہی ہے، آپ یہاں ٹھہریں میں آواز دیتا ہوں، منشی جی اس کی آواز پر نکلے، ان سے کہا کہ آپ کے ایک نئے مہمان ہیں، منشی جی باہر آئے تو مجھ پر نظر پڑی، میں نے آگے بڑھ کر سلام کیا، مصافحہ ہوا، منشی جی نے مل کر خوشی کا اظہار کیا کہ بہت اچھا ہوا کہ آپ میرے یہاں آگئے۔

انھوں نے فوراً شربت بنوایا، پنکھا منگوایا۔ تھوڑی دیر تک متو اور مدرسہ کے حالات معلوم کرتے رہے، میں نے یہ ظاہر نہیں ہونے دیا کہ میں حکومت کا مجرم اور باغی ہوں اور مجھ پر وارنٹ ہے اس لئے آنا ہوا ہے۔ پسینہ خشک ہوا تو اپنے بیٹے مولوی عبدالرحمن سلمہٗ سے انھوں نے کہا کہ مولوی صاحب کو مسجد کے کنویں پر لے جاؤ اور غسل کرا دو، یہ کوئی دس بارہ سال کا لڑکا ہوگا، اس نے مسجد لے جا کر پانی کھینچا اور مجھے نہلایا۔ اب اس کے بعد جان میں جان آئی کہ انتخاب بہتر رہا اور کوئی شک نہیں کہ بہادر گنج ضلع غازی پور کا قیام متو سے بہتر رہا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کمرۂ مسجد میں قیام منشی عبدالباری صاحب نے میرے قیام کے لئے اپنے محلے کی مسجد کا وہ کمرہ منتخب کیا جو گیٹ کے اوپر دوسری منزل پر تھا، کیونکہ دن میں وہ اپنے کاروبار میں منہمک رہتے تھے، میرے لئے دس بیس کتابیں اپنے گھر سے بھجوا دیں کہ میں ان کے مطالعہ سے جی بہلاؤں، ان میں حکیم الامۃ حضرت تھانویؒ کی زیادہ کتابیں تھیں اور ایک "حیات طیبہ" نامی کتاب تھی، وہ حضرت سید احمد بریلویؒ کی زندگی کے حالات پر مشتمل تھی، دن بھر میں اسی کمرہ میں پڑا رہتا تھا اور کتابیں پڑھتا رہتا تھا، عصر کی نماز کے بعد منشی جی اپنے کام سے فارغ ہو جاتے تھے اور ادھر اُدھر تفریح میں نکل جاتے تھے ہمیں بھی ساتھ ہوتا تھا۔

ظاہری طور پر مجھے بہادر گنج میں کوئی تکلیف نہیں تھی، مگر کم عمری اور ناتجربہ کاری کی وجہ سے وارنٹ کا خوف دل سے نہیں نکلتا تھا، بلکہ خوف وہراس کا حملہ اندر اندر بار بار ہوتا رہتا تھا، گو اسے ظاہر نہیں ہونے دیتا تھا۔

اس وقت میری عمر اس وقت میری عمر کوئی سترہ سال ہو گی، طبیعت میں عجلت پسندی ذرا سی بات میں گھبراہٹ اور اجنبیت دور کرنے کی عدم صلاحیت نے ذہناً پریشان کر رکھا تھا، منشی جی نے یہ ذہن نشین کر دیا تھا کہ جب تک ٹرینوں کا سلسلہ جاری نہ ہو، آپ باطمینان میرے یہاں رہیں، میں نے بھی مان لیا تھا کہ ٹھیک ہے انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔

آج بھی جب منشی جی کی محبت وشفقت یاد آتی ہے تو ان کے لئے دل سے دعائیں نکلتی ہیں، بڑے اونچے اخلاق کے تھے، حالانکہ کوئی سیٹھ، زمیندار یا مالدار نہیں تھے، معمولی کاروبار تھا، اسی سے کھاتے پیتے اور گھر چلاتے تھے، مگر دیندار تھے اور بہت عمدہ مہمان نواز، پکے نمازی۔

اس وقت کی یادداشت میں اس سلسلے میں جو کچھ لکھ رکھا ہے ان کی چند سطریں بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ملاحظہ فرمائیں:

"۲۴؍ اگست ۱۹۴۲ء بارہ بجے دن سے لیکر ۲۷؍ اگست ۱۹۴۲ء ۸ بجے دن تک بہادر گنج میں منشی عبد الباری صاحب کا مہمان رہا، میزبان کا حسن سلوک، ان کی محبت و شفقت نے ایسا اپنا لیا کہ مجھے احساس تک نہیں ہوا کہ کسی غیر کے گھر میں ہوں، ایک بڑا بھائی اپنے چھوٹے بھائی کے ساتھ جو سلوک کر سکتا ہے، وہ سب وہ اس خاکسار کے ساتھ کرتے ہیں، ہر دو تین گھنٹے کے بعد آکر ملتے اور پوچھتے کہ کوئی ضرورت تو نہیں؟ کوئی اور کتاب تو نہیں چاہیئے؟ کوئی تکلیف تو نہیں؟"

قافلہ کی آمد

بہادر گنج میں بہت آرام کے ساتھ دن رات گذر رہے تھے کہ تیسرے دن بعد مغرب کسی نے آکر یہ خبر دی کہ مئو کے مدرسہ سے طلبہ کا ایک قافلہ آیا ہے جو پورنیہ (بہار) جانے کا ارادہ رکھتا ہے، نہ معلوم کیوں طبیعت مچل گئی، اور جی کا تقاضا ہوا کہ ان لوگوں سے جا کر ملوں، منشی جی کو ساتھ کر کے ان کی قیام گاہ پر گیا۔ ملاقات ہوئی، یہ طلبہ دار العلوم مئو کے تھے، میرے لئے اجنبی تھے، مگر وہ سب مجھے جانتے پہچانتے تھے، اصرار کرنے لگے کہ تم بھی ساتھ چلو، یہ نو آدمیوں کا گروپ تھا۔

واپسی میں منشی جی سے اصرار کے ساتھ کہنے لگا کہ آپ اجازت دیدیں کہ میں بھی ان کے ساتھ نکل جاؤں، میرا وطن دربھنگہ (بہار) تھا، سوچا راستہ کا زیادہ حصہ ان کے ساتھ کٹ جائے گا، پہلے انھوں نے بڑی محبت سے سمجھایا کہ یہ زمانہ پیدل سفر کا نہیں، بدامنی عام ہے، راستہ میں مسافر لوٹ لئے جاتے ہیں، راستہ پر امن نہیں ہے، اس لئے جانا مناسب نہیں ہوگا، جب ریل چلنا شروع ہوگی، اُس وقت جانا بہتر ہوگا۔ مگر نوجوانی اور کم عمری کی حماقتوں کا کیا علاج تھا، بضد ہوگیا کہ مجھے جانے دیں، اور منشی جی کی کسی دلیل اور سنجیدہ بات کو ذہن نے قبول نہیں کیا، وہ تجربہ کار تھے، میرے انداز سے یقین کر لیا کہ یہ لڑکا اب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رکنے والا نہیں، پریشان بہت ہوگا، مگر علاج بھی کیا ہے، یہ بھی کہا کہ دیکھو آج ۱۴ شعبان ہے شب برات چھوڑ کر جانا کسی طرح اچھا نہیں، کوئی تکلیف نہیں ہوگی، رہو، بعد میں دیکھا جائے گا۔

روانگی کا عزم جب میں کسی طرح رُکنے پر راضی نہیں ہوا، تو منشی جی بادل ناخواستہ کہنے لگے جب آپ نہیں مانتے تو مجبوراً اجازت دیتا ہوں، کشتی سے یہ لوگ بلیا جائیں گے، دریائی راستہ ہے، کچھ پکوا کر ساتھ کر دیا، تاکہ بلیا تک پہونچنے میں کھانے کی تکلیف نہ ہو۔

صبح سویرے ناشتہ کھلا کر خود ساتھ لے کر دریا پر چلے، وہاں کشتی تیار تھی، اس پر بٹھا کر آئے، مگر وہ بے حد متاسف تھے اور اداس خاطر، مجھے خدا کے حوالے کیا، راستہ کے لئے کچھ نصیحتیں کیں۔

دریائی سفر ۲۷ اگست ۱۹۴۲ء کو ۹ بجے دن میں کشتی نے لنگر اٹھایا، اس کشتی میں ہم دس طلبہ تھے، دو کہیں جانے والی مسلمان عورتیں تھیں، اور پانچ چھ ہندو زمیندار، کشتی لمبی چوڑی کشادہ تھی، اوپر چھت پڑی ہوئی تھی، اندر بیٹھنے کا اچھا انتظام تھا۔

میری زندگی میں کشتی کا یہ سب سے پہلا سفر تھا۔ اس سے پہلے دریائی سفر کی کبھی نوبت نہیں آئی تھی، اندر کشتی میں دھوپ کی شدّت کی وجہ سے کافی گرمی تھی، مگر گفتگو اور بحث مباحثے ایسے نکلتے اور چلتے رہے کہ گرمی کی طرف سے ذہن پھرا ہوا تھا۔

(باقی آئندہ)

© rasailojaraid.com